© rasailojaraid.com



# سود میں نئے مباحث کا اضافہ

از مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی امیر پاکستان

(قسط چہارم)

## جدید بینکنگ

مگر سود کی شناعتوں کا مضمون ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ اُسکی اپنی ذاتی برائیوں کو اس تنظیم نے کئی گنا زیادہ بڑھا دیا ہے جو زمانۂ حال میں مہاجنی و ساہوکاری کے پرانے طریقوں کی جگہ جدید بینکنگ کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ اس تنظیم نے قدیم صراف کی گدی پر دورِ جدید کے بینکر اور فنانشیر کو لا بٹھایا ہے جس کے ہاتھ میں آکر سود کا ہتھیار ہر زمانے سے زیادہ غارت گر بن گیا ہے۔

**ابتدائی تاریخ** اس نئے نظامِ ساہوکاری کے مزاج کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اسکی ابتدائی تاریخ آپ کے سامنے ہو۔

مغربی ممالک میں اسکی ابتداء یوں ہوئی کہ پہلے جب کاغذ کے نوٹ نہ چلتے تھے تو لوگ زیادہ تر اپنی دولت سونے کی شکل میں جمع کیا کرتے تھے اور اسے گھروں میں رکھنے کے بجائے حفاظت کی غرض سے سُناروں کے پاس رکھوا دیتے تھے۔ سُنار ہر امانت دار کو اسکی امانت کے بقدر سونے کی رسید لکھ دیتا تھا جس میں تصریح ہوتی تھی کہ رسید بردار کا اتنا سونا فلاں سُنار کے پاس محفوظ ہے۔ رفتہ رفتہ یہ رسیدیں خرید و فروخت اور قرضوں کی ادائیگی اور حسابات کے تصفیہ میں ایک آدمی سے دوسرے آدمی کی طرف منتقل ہونے لگیں۔ لوگوں کیلئے یہ بات زیادہ آسان تھی کہ سونے کی رسید ایک دوسرے کو دے دیں بہ نسبت اس کے کہ ہر لین دین کے موقع پر سونا سُنار کے ہاں سے نکلوایا جائے اور اس کے ذریعہ سے کاروبار ہو۔ رسید حوالہ کر دینے کے معنی گویا سونا حوالہ کر دینے کے تھے اس لئے تمام کاروباری اغراض کے لئے یہ رسیدیں اصل سونے کی قائم مقام بنتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



چلی گئیں اور اس امر کی نوبت بہت ہی کم آنے لگی کہ کوئی شخص وہ سونا نکلواتے جو ایک رسید کے پیچھے سُنار کے پاس محفوظ تھا۔ اس کا موقع بس اُنہی ضرورتوں کے وقت پیش آتا تھا جب کسی کو بجائے خود سونے ہی کی ضرورت ہوتی تھی، ورنہ ذریعۂ مبادلہ کی حیثیت سے جتنے کام سونے سے چلتے تھے وہ سب ان ہلکی پھلکی رسیدوں کے ذریعے سے چل جایا کرتے تھے جن کا کسی کے پاس ہونا اِسبات کی علامت تھا کہ وہ اس قدر سونے کا مالک ہے

اب تجربہ سے سُناروں کو معلوم ہوا کہ جو سونا ان کے پاس لوگوں کی امانتوں کا جمع ہے اس کا بمشکل دسواں حصہ نکلوایا جاتا ہے، باقی ۹ حصے اُن کی تجوریوں میں بیکار پڑے رہتے ہیں۔ انہوں نے سوچا کہ ان ۹ حصوں کو استعمال کیوں نہ کیا جائے چنانچہ انہوں نے یہ سونا لوگوں کو قرض دے کر اس پر سود وصول کرنا شروع کر دیا اور اُسے اس طرح استعمال کرنے لگے گویا کہ وہ ان کی اپنی ملک ہے۔ حالانکہ درحقیقت وہ لوگوں کی ملک تھا۔ مزید لطیفہ یہ ہے کہ وہ اس سونے کے مالکوں سے اسکی حفاظت کا معاوضہ بھی وصول کرتے تھے اور چپکے چپکے اسی سونے کو قرض پر چلا کر اس کا سود بھی وصول کر لیتے تھے۔

پھر ان کی یہ چالاکی اور دغا بازی اس حد پر بھی نہ رکی۔ وہ اصل سونا قرض پر دینے کے بجائے اُسکی قوت پر کاغذی رسیدیں چلانے لگے اس لئے کہ ان کی دی ہوئی رسیدیں بازار میں وہ سارے کام کر رہی تھیں جو ذریعۂ مبادلہ ہونے کی حیثیت سے سونا کرتا تھا۔ اور چونکہ انہیں تجربے سے معلوم ہو چکا تھا کہ محفوظ سونے کا صرف دسواں حصہ ہی عموماً واپس مانگا جاتا ہے اس لیئے انہوں نے باقی ۹ حصوں کی قوت پر ۹ کی نہیں بلکہ ۹ حصوں کی جعلی رسیدیں بنا کر زرِ کاغذی کی حیثیت سے چلائی اور قرض دینی شروع کر دیں۔ اس معاملہ کو مثال کے ذریعہ سے یوں سمجھیئے کہ اگر ایک سنار کے پاس ایک شخص نے سو روپے کا سونا جمع کرایا تھا تو سنار نے ہزار روپے کی دس رسیدیں بنائیں جن میں سے ہر ایک پر لکھا کہ اس رسید کے پیچھے سو روپے کا سونا میرے پاس جمع ہے۔ ان دس رسیدوں میں سے ایک (جس کے پیچھے فی الواقع سو روپے کا سونا موجود تھا) اس نے سونا جمع کرانے والے کے حوالہ کی، اور باقی ۹ سو روپے کی نو رسیدیں (جن کے پیچھے درحقیقت کوئی سونا موجود نہ تھا) دوسرے لوگوں کو قرض دیں اور اس پر اُن سے سود وصول کرنا شروع کر دیا۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک سخت قسم کا دھوکا اور فریب تھا۔ اس دغابازی اور جعل سازی کے ذریعہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ان لوگوں نے ۹۰ فی صدی جعلی روپیہ بالکل بے بنیاد کرنسی کی شکل میں بنا ڈالا اور خواہ مخواہ اس کے مالک بن بیٹھے اور سوسائٹی کے سر پر اسکو قرض کے طور پر لاد لاد کر اس پر دس بارہ فی صدی سود وصول کرنے لگے، حالانکہ نہ انہوں نے اسے کمایا تھا، نہ کسی جائز طریقے سے اس کے حقوقِ ملکیت انہیں پہنچتے تھے، اور نہ وہ کوئی حقیقی روپیہ تھا جس کو ذریعۂ تبادلہ کے طور پر بازار میں چلانا اور اس کے عوض اشیاء اور خدمات حاصل کرنا کسی اصولِ اخلاق و معیشت و قانون کی رو سے جائز ہو سکتا تھا۔ ایک سادہ مزاج آدمی جب ان کے اس کرتوت کی روداد سنے گا تو اس کے ذہن میں قانونِ تعزیرات کی وہ دفعات گھومنے لگیں گی جو دھوکے اور فریب اور جعل سازی کے جرائم سے متعلق ہیں، اور وہ اس کے بعد یہ سننے کا متوقع ہوگا کہ پھر شاید ان سناروں پر مقدمہ چلایا گیا ہوگا۔ لیکن وہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوا۔ یہ سنار اس جعلسازی سے ملک کی ۹۰ فیصدی دولت کے مالک ہو چکے تھے۔ بادشاہ اور امراء اور عہدہ دار سب ان کے قرض کے جال میں پھنس چکے تھے۔ خود حکومتیں لڑائیوں کے موقع پر، اور اندرونی مشکلات کی عقدہ کشائی کے لئے ان سے بھاری قرض لے چکی تھیں۔ اب کس کی مجال تھی جو یہ سوال اٹھا سکتا کہ یہ لوگ کہاں سے اتنے بڑے سرمائے کے مالک ہو گئے۔ پھر جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، پرانی جاگیرداری کے مقابلہ میں جو نئی بورژوا تہذیب دنیائے مغربی میں آزادی اور جمہوریت کے زبردست اسلحے لے کر اٹھ رہی تھی اس کے میر کارواں اور مقدمۃ الجیش یہی ساہوکار اور کاروباری لوگ تھے جن کی پشت پر فلسفہ اور ادب اور آرٹ کا ایک لشکرِ عظیم ہر اس شخص اور گروہ پر ہلہ بول دینے کے لئے تیار تھا جو مسٹر گولڈ سمتھ کے سرمایۂ عظیم کا ماخذ دریافت کرنے کی جرأت کرتا۔ اس طرح وہ دغابازی و جعل سازی جس سے یہ دولت بنائی گئی تھی، قانون کی گرفت سے صرف محفوظ ہی نہیں رہ گئی بلکہ قانون نے اسکو بالکل جائز تسلیم کر لیا، اور حکومتوں نے ان سناروں کا: جو اب بینکر اور فینانشیر بن چکے تھے، یہ حق مان لیا کہ وہ نوٹ جاری کریں، اور ان کے جاری کردہ نوٹ باقاعدہ زرِ کاغذی کی حیثیت سے کاروبار کی دنیا میں چلنے لگے۔

**دوسرا مرحلہ**

یہ تھی اس سرمائے کی اصلیت جس کے بل بوتے پر قدیم سنار دورِ جدید کے ساہوکار اور اقلیم زر کے فرمانروا بنے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک قدم اور بڑھایا جو پہلے قدم سے بھی زیادہ فتنہ انگیز تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس دور میں یہ جدید ساہوکاری اس جبلی سرمایہ سے طاقت پکڑ کر سر اٹھا رہی تھی، یہ وہی دور تھا جب مغربی یورپ میں ایک طرف صنعت اور تجارت سیلاب کی سی شدت کے ساتھ اٹھ رہی تھی اور تمام دنیا کو مسخر کیا چاہتی تھی اور دوسری طرف تمدن و تہذیب کی ایک نئی عمارت اٹھ رہی تھی جو یونیورسٹیوں سے لے کر میونسپلٹیوں تک زندگی کے ہر شعبے کی تعمیر جدید چاہتی تھی۔ اس موقع پر ہر قسم کے معاشی اور تمدنی کاموں کو سرمائے کی حاجت تھی۔ نئی نئی صنعتیں اور تجارتیں اپنے آغاز کے لئے سرمایہ مانگ رہی تھیں۔ پہلے کے چلتے ہوئے کاروبار اپنی ترقی اور پیش قدمی کے لئے بھی روز افزوں مقدار میں سرمائے کے طالب تھے۔ اور تہذیبی و تمدنی ترقی کی مختلف انفرادی و اجتماعی تجویزیں بھی اپنی ابتداء اور اپنے ارتقاء کے لئے اس چیز کی محتاج تھیں۔ ان سب کاموں کے لئے خود کارکنوں کا اپنا ذاتی سرمایہ بہرحال ناکافی تھا۔ اب دو ہی ذرائع تھے جن سے یہ خونِ حیات اس تمدنِ جدید کے نوخیز شباب کی آبیاری کے لئے بہم پہنچ سکتا تھا،

(۱) وہ سرمایہ جو سابق سناروں اور حال کے ساہوکاروں کے پاس تھا،

(۲) وہ سرمایہ جو متوسط اور خوشحال طبقوں کے پاس ان کی پس انداز کی ہوئی آمدنیوں کی شکل میں جمع تھا

ان میں سے پہلی قسم کا سرمایہ تو تھا ہی ساہوکاروں کے قبضہ میں، اور وہ پہلے سے سود خواری کے عادی تھے، اس لئے اس کا ایک حبہ بھی حصہ داری کے اصول پر کسی کام میں لگنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس ذریعہ سے جتنا روپیہ بھی صناعوں اور تاجروں اور دوسرے معاشی و تمدنی کارکنوں کو ملا قرض کے طور پر ملا اور اس شرط پر ملا کہ خواہ ان کو نفع ہو یا نقصان، اور خواہ ان کا نفع کم ہو یا زیادہ، بہرحال ساہوکار کو انہیں ایک طے شدہ شرح کے مطابق منافع دینا ہوگا۔

اس کے بعد صرف دوسرا ذریعہ ہی ایسا رہ جاتا تھا جس سے معاشی کاروبار اور تعمیر و ترقی کے کاموں کی طرف سرمایہ اچھی اور صحت بخش صورتوں سے آسکتا تھا۔ مگر ان ساہوکاروں نے ایک ایسی چال چلی جس سے یہ ذریعہ بھی انہی کے قبضہ میں چلا گیا اور انہوں نے اس کے لئے بھی تمدن و معیشت کے معاملات کی طرف جانے کے سارے دروازے، ایک سودی قرض کے دروازے کے سوا، بند کر دیئے۔

وہ چال کیا تھی؟ مختصراً وہ یہ تھی کہ انہوں نے سود کا لالچ دے کر تمام ایسے لوگوں کا سرمایہ بھی اپنے

© rasailojaraid.com



پاس کھینچنا شروع کر دیا جو اپنی ضرورت سے زیادہ آمدنی بچا رکھتے تھے، یا اپنی ضرورتیں روک کر کچھ نہ کچھ پس انداز کرنے کے عادی تھے۔ یہ بات اوپر آپ کو معلوم ہو چکی ہے کہ یہ سنار ساہوکار پہلے سے اس قسم کے لوگوں کے ساتھ ربط ضبط رکھتے تھے، اور ان کی جمع پونجی انہی کے پاس امانت رہا کرتی تھی۔ اب جو انہوں نے دیکھا کہ یہ لوگ اپنے سرمائے کو کاروبار میں لگانے لگے ہیں اور ان کی پس انداز کی ہوئی رقمیں ہمارے پاس آنے کے بجائے کمپنیوں کے حصے خریدنے میں زیادہ صرف ہونے لگی ہیں، تو انہوں نے کہا کہ آپ لوگ اس زحمت میں کہاں پڑتے ہیں؟ اس طرح تو آپ کو خود شرکت کے معاملات طے کرنے ہوں گے، خود حساب کتاب رکھنا ہوگا، اور سب سے زیادہ یہ کہ اس طریقہ سے آپ نقصان کے خطرے میں بھی پڑیں گے اور نفع کا اتار چڑھاؤ بھی آپ کی آمدنی پر اثر انداز ہوتا رہے گا۔ اس کے بجائے آپ اپنی رقمیں ہمارے پاس جمع کرائیے۔ ہم ان کی حفاظت بھی بلا معاوضہ کریں گے، ان کا حساب کتاب بھی محفوظ رکھیں گے، اور آپ سے کچھ لینے کے بجائے الٹا آپ کو سود دیں گے۔ یہ چال تھی جس سے ۹۰ فی صدی، بلکہ اس سے بھی زیادہ پس انداز رقمیں براہِ راست معیشت و تمدن کے کاموں کی طرف جانے کے بجائے ساہوکار کے دستِ تصرف میں چلی گئیں اور قریب قریب پورے قابلِ حصول سرمائے پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ اب صورتِ حال یہ ہو گئی کہ ساہوکار اپنے جعلی سرمائے کو تو سود پر چلا ہی رہا تھا، دوسروں کا سرمایہ بھی اس نے سستی شرحِ سود پر لے کر زیادہ شرح پر قرض دینا شروع کر دیا۔ اس نے یہ بات ناممکن بنا دی کہ اس کی مقرر کی ہوئی شرح کے سوا کسی دوسری شرط پر کسی کام کے لیے کہیں سے کوئی سرمایہ مل سکے۔ جو تھوڑے بہت لوگ ایسے رہ بھی گئے جو ساہوکار کی معرفت سرمایہ لگانے کے بجائے خود براہ راست کاروبار میں لگانا پسند کرتے تھے اُن کو بھی ایک لگا بندھا منافع وصول کرنے کی چاٹ لگ گئی اور وہ سیدھے سادھے حصے (SHARES) خریدنے کے بجائے وثیقوں (DEEENTURES) کو ترجیح دینے لگے جن میں ایک مقرر منافع کی ضمانت ہوتی ہے۔

اس طریق کار نے تقسیم مکمل کر دی۔ وہ ساری آبادی ایک طرف ہو گئی جو معیشت اور تمدن کی کھیتوں میں کام کرتی ہے، جس کی محنتوں اور کوششوں اور قابلیتوں ہی پر ساری تہذیبی و معاشی پیداوار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جس دور میں یہ جدید ساہوکاری اس جبلی سرمایہ سے طاقت پکڑ کر سر اٹھا رہی تھی، یہ وہی دور تھا جب مغربی یورپ میں ایک طرف صنعت اور تجارت سیلاب کی سی شدت کے ساتھ اٹھ رہی تھی اور تمام دنیا کو مسخر کیا چاہتی تھی اور دوسری طرف تمدن و تہذیب کی ایک نئی عمارت اٹھ رہی تھی جو بنیادوں سے لے کر منڈیروں تک زندگی کے ہر شعبے کی تعمیر جدید چاہتی تھی۔ اس موقع پر ہر قسم کے معاشی اور تمدنی کاموں کو سرمایہ کی حاجت تھی۔ نئی نئی صنعتیں اور تجارتیں اپنے آغاز کے لئے سرمایہ مانگ رہی تھیں، پہلے کے چلتے ہوئے کاروبار اپنی ترقی اور پیش قدمی کے لئے بھی افزوں تر مقدار میں سرمایہ کے طالب تھے۔ اور تہذیبی و تمدنی ترقی کی مختلف انفرادی و اجتماعی تجویزیں بھی اپنی ابتدا اور اپنے ارتقا کے لئے اس چیز کی محتاج تھیں۔ ان سب کاموں کے لئے خود کارکنوں کا اپنا ذاتی سرمایہ بہر حال ناکافی تھا۔ اب لامحالہ دو ہی ذرائع تھے جن سے یہ خونِ حیات اس تمدنِ جدید کے نوخیز شباب کی آبیاری کے لئے بہم پہنچ سکتا تھا۔

(۱) وہ سرمایہ جو سابق سناروں اور حال کے ساہوکاروں کے پاس تھا۔

(۲) وہ سرمایہ جو متوسط اور خوشحال طبقوں کے پاس ان کی پس انداز کی ہوئی آمدنیوں کی شکل میں جمع تھا۔

ان میں سے پہلی قسم کا سرمایہ تو تھا ہی ساہوکاروں کے قبضہ میں، اور وہ پہلے سے سود خواری کے عادی تھے، اس لئے اس کا ایک حبہ بھی حصہ داری کے اصول پر کسی کام میں لگنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس ذریعہ سے جتنا روپیہ بھی صناعوں اور تاجروں اور دوسرے معاشی و تمدنی کارکنوں کو ملا قرض کے طور پر ملا اور اس شرط پر ملا کہ خواہ ان کو نفع ہو یا نقصان، اور خواہ ان کا نفع کم ہو یا زیادہ، بہر حال ساہوکار کو انہیں ایک طے شدہ شرح کے مطابق منافع دینا ہوگا۔

اس کے بعد صرف دوسرا ذریعہ ہی ایسا رہ جاتا تھا جس سے معاشی کاروبار اور تعمیر و ترقی کے کاموں کی طرف سرمایہ اچھی اور صحت بخش صورتوں سے آ سکتا تھا۔ مگر ان ساہوکاروں نے ایک ایسی چال چلی جس سے یہ ذریعہ بھی انہی کے قبضہ میں چلا گیا اور انہوں نے اس کے لئے بھی تمدن و معیشت کے معاملات کی طرف جانے کے سارے دروازے، ایک سودی قرض کے دروازے کے سوا، بند کر دیے۔

وہ چال کیا تھی؟ مختصراً وہ یہ تھی کہ انہوں نے سود کا لالچ دے کر تمام ایسے لوگوں کا سرمایہ بھی اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح یہ بینک وجود میں آئے جو آج تمام دنیا کے نظام مالیات پر قابض و متصرف ہیں۔

اس جدید تنظیم کا طریقہ مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ چند صاحبِ سرمایہ لوگ مل کر ایک ادارہ ساہوکاری قائم کرتے ہیں جس کا نام بینک ہے۔ اس ادارے میں دو طرح کا سرمایہ استعمال ہوتا ہے۔ ایک حصہ داروں کا سرمایہ جس سے کام کی ابتدا کی جاتی ہے۔ دوسرا امانت داروں یا کھاتہ داروں (DEPOSITORS) کا سرمایہ جو بینک کا کام اور نام بڑھنے کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد میں بڑھتا جاتا ہے اور اسی کی بدولت بینک کے اثر اور اس کی طاقت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک بینک کی کامیابی کا اصل معیار یہ ہے کہ اس کے پاس اس کا اپنا ذاتی سرمایہ (یعنی حصہ داروں کا لگایا ہوا سرمایہ) کم سے کم ہو اور لوگوں کی رکھوائی ہوئی رقمیں زیادہ سے زیادہ ہوں۔ مثال کے طور پر پنجاب نیشنل بینک کو لیجیے جو قبل تقسیم کے بڑے کامیاب بینکوں میں سے تھا۔ اس کا اپنا سرمایہ صرف ایک کروڑ تھا جس میں سے ۸۰ لاکھ سے کچھ ہی زائد روپیہ حصہ داروں نے عملاً ادا کیا تھا۔ لیکن ۱۹۴۷ء میں یہ بینک تقریباً ۵۰ کروڑ روپے کا وہ سرمایہ استعمال کر رہا تھا جو امانتیں رکھوانے والوں کا فراہم کردہ تھا۔

مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ بینک اپنا سارا کام تو چلاتا ہے امانت داروں کے روپے سے، جن کا دیا ہوا سرمایہ بینک کے مجموعی سرمائے میں ۹۰-۹۵ بلکہ ۹۸ فی صدی تک ہوتا ہے، لیکن بینک کے نظم و نسق اور اس کی پالیسی میں ان کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ چیز بالکل ان حصہ داروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو بینک کے مالک ہوتے ہیں اور جن کا سرمایہ مجموعی سرمائے کا صرف دو تین یا چار پانچ فی صدی ہوا کرتا ہے۔ امانت داروں کا کام صرف یہ ہے کہ اپنا روپیہ بینک کے حوالہ کریں اور اس سے ایک خاص شرح کے مطابق سود لیتے رہیں۔ رہی یہ بات کہ بینک اس روپے کو استعمال کس طرح کرتا ہے، اس معاملہ میں وہ کچھ نہیں بول سکتے۔ اس کا تعلق تمام تر حصہ داروں سے ہے۔ وہی منتظمین کا انتخاب کرتے ہیں، وہی پالیسی کا تعین کرتے ہیں، وہی نظم و نسق اور حساب کتاب کی نگرانی کرتے ہیں اور انہی کے منشا پر اس امر کا فیصلہ منحصر ہوتا ہے کہ سرمایہ کدھر جائے اور کدھر نہ جائے۔ پھر حصہ داروں میں بھی سب یکساں نہیں ہوتے۔ متفرق چھوٹے چھوٹے حصہ داروں کا اثر بینک کے نظام میں برائے نام ہوتا ہے۔ دراصل چند بڑے اور بھاری حصہ دار ہی سرمائے کی اس تھیلی پر قابض ہوتے ہیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دہی اس پر تصرف کرتے رہتے ہیں۔

بینک اگرچہ بہت سے چھوٹے بڑے کام کرتا ہے جن میں سے بعض یقیناً مفید، ضروری اور جائز بھی ہیں لیکن اُس کا اصل کام سرمائے کو سود پر چلانا ہوتا ہے۔ تجارتی بینک ہو یا صنعتی یا زراعتی، یا کسی اور نوعیت کا بہرحال وہ خود کوئی تجارت یا صنعت یا زراعت نہیں کرتا بلکہ کاروباری لوگوں کو سرمایہ دیتا ہے اور ان سے سود وصول کرتا ہے۔ اس کے منافع کا اصلی اور سب سے بڑا ذریعہ یہ ہوتا ہے کہ امانت داروں سے کم شرحِ سود پر سرمایہ حاصل کرے اور کاروباری لوگوں کو زیادہ شرح پر قرض دے۔ اس طریقے سے جو

---

له مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تھوڑی سی تفصیل بینکوں کے طریقِ کار کی بھی دے دی جائے تاکہ لوگ ان کے کاروبار کی واقعی حیثیت اچھی طرح سمجھ لیں۔

بینک میں جو امانتیں رکھوائی جاتی ہیں وہ دو بڑی قسموں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ایک مؤجّل۔ دوسری معجّل یا عند الطلب۔ پہلی قسم کم از کم تین مہینے یا اس سے زیادہ مدت کے لئے بینک کے حوالہ کی جاتی ہے۔ اور دوسری قسم میں سے ہر وقت آدمی لیتا دیتا رہتا ہے۔ بینک کا قاعدہ ہے کہ جتنی زیادہ مدت کے لئے کوئی رقم اس کے پاس رکھوائی جائے اسی قدر زیادہ شرح سود وہ اس پر دیتا ہے اور جتنی مدت کم ہوتی جاتی ہے اسی قدر شرح بھی کم ہو جاتی ہے۔ بعض بینک عند الطلب یا چالو کھاتے (CURRENT ACCOUNT) پر برائے نام کچھ سود دے دیتے ہیں لیکن بالعموم اب اس پر سود دینے کا قاعدہ نہیں رہا ہے۔ بلکہ جو لوگ اپنے چالو کھاتے میں سے بہت زیادہ اور بار بار رقمیں نکالتے رہتے ہیں ان سے یا تو بینک ان کا حساب کتاب رکھنے کی اجرت وصول کرتے ہیں یا ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک خاص تناسب کے مطابق اپنی رقم کا کچھ حصہ بینک میں مستقل طور پر رکھوا دیں تاکہ اس کے سود سے بینک کا وہ خرچ نکل آئے جو وہ ان کا حساب کتاب رکھنے پر برداشت کرتا ہے۔

بینک اپنے سرمائے کا ایک حصہ (تقریباً ۱۰ سے ۲۵ فی صدی تک) نقد اپنے پاس رکھتا ہے تاکہ روزمرہ کے لین دین میں کام آسکے۔ اس کے بعد کچھ سرمایہ بازارِ صرافہ (MONEY MARKET) کو قرض دیا جاتا ہے یہ تقریباً نقدی کی طرح ہر وقت قابلِ حصول اور قابلِ استعمال (LIQUID) رہتا ہے اور اس پر ½ سے ایک فیصدی تک سود مل جاتا ہے۔ پھر ایک حصہ ہنڈی کے کاروبار میں اور دوسرے قلیل المدت قرضوں میں صرف کیا جاتا ہے ان کی واپسی بھی چونکہ جلدی جلدی ہوتی رہتی ہے اس لئے ان پر بھی سود کم لگتا ہے۔ مثلاً ۲ سے ۳ فیصدی باقی اگلے صفحہ پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آمدنی ہوتی ہے وہ حصہ داروں میں اُسی طرح تقسیم ہو جاتی ہے جس طرح تمام تجارتی اداروں کی آمدنیاں ان کے حصہ داروں میں متناسب طریقہ سے تقسیم ہوا کرتی ہیں۔

**نتائج** اس طریقے پر ساہوکارے کی تنظیم کر لینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے زمانے کے منفرد اور منتشر مہاجنوں کی بہ نسبت آج کے مجتمع اور منظم ساہوکاروں کا وقار اور اثر اور اعتماد کئی گنا زیادہ بڑھ گیا اور پورے پورے ملکوں کی دولت سمٹ کر ان کے پاس مرتکز ہو گئی۔ اب اربوں روپے کا سرمایہ ایک ایک بینک میں اکٹھا ہو جاتا ہے

بقیہ حاشیہ صفحۂ متعلقہ :۔ تک یا اس سے کم و بیش۔ اس کے بعد سرمایہ کا ایک معتد بہ حصّہ ایسی چیزوں پر لگایا جاتا ہے جن میں سرمایہ کی حفاظت کا بھی زیادہ سے زیادہ اطمینان ہوتا ہے۔ ضرورت پڑنے پر انہیں بیچ کر بھی سرمایہ واپس نکالا جاسکتا ہے، اور پھر ان پر دو چار فیصدی سود بھی مل جاتا ہے، مثلاً حکومتوں کی کفالتیں (GOVERNMENT SECURITIES) اور قابل اعتماد کمپنیوں کے حصے اور وثیقے (DEBENTURES) نقدی کے بعد یہ تین مدیں ہر بینک اپنے کاروبار میں اس لیے لازماً شامل رکھتا ہے کہ یہ اس کے تحفظ کے لئے ضروری ہیں۔ ان سے بینک کی کمر مضبوط ہوتی ہے اور خطرے یا ضرورت کے وقت یہ اس کے کام آجاتی ہیں

اس کے بعد ایک بڑی مد ان قرضوں کی ہے جو کاروباری لوگوں کو اور ذی حیثیت اصحاب کو اور اجتماعی اداروں کو دیئے جاتے ہیں۔ یہ بینک کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اس پر سب سے زیادہ شرح سود ملتی ہے اور ہر بینک یہ چاہتا ہے کہ اسکو اپنے سرمائے کا زیادہ سے زیادہ حصہ اس مد پر صرف کرنے کا موقع ملے۔ عام طور پر بینک اس مد میں ۳۰ سے لے کر ۶۰ فی صدی تک سرمایہ لگایا کرتے ہیں اور اس میں کمی بیشی زیادہ تر ملک کے اور دنیا کے سیاسی و معاشی حالات کی بنا پر ہوتی رہتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ بینک اپنے امانت داروں سے لیا ہوا اور خود اپنا لگایا ہوا اکثر جتنی مدات میں بھی صرف کرتے ہیں وہ سب ایسے سود طلب قرضوں کی مدیں ہیں جو بالواسطہ یا بلاواسطہ سوسائٹی کے سر چڑھائے جاتے ہیں اور پھر امانت داروں کو جو جز "منافع" کے نام سے دی جاتی ہے وہ اُسی سود کا ایک حصّہ ہوتی ہے جو ان قرضوں پر سوسائٹی سے وصول کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بینک کچھ ایسی خدمات بھی انجام دیتا ہے جو جائز نوعیت کی ہوتی ہیں اور ان کی اجرت یا کمیشن بھی اس کے ذرائع آمدنی میں سے ایک ذریعہ ہے۔ لیکن اس ذریعہ سے کمائی ہوئی آمدنی بینک[۵]

[۵] کی کل آمدنی کا بمشکل ۵ سے ۱۰ فیصدی حصہ ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

جس پر چند بااثر ساہوکار قابض و متصرف ہوتے ہیں اور وہ اس ذریعہ سے نہ صرف اپنے ملک کی، بلکہ دنیا بھر کی معاشی، تمدنی اور سیاسی زندگی پر کمال درجہ خود غرضی کے ساتھ فرمانروائی کرتے رہتے ہیں۔

ان کی طاقت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ تقسیم سے پہلے ہندوستان کے دس بڑے بنکوں کے پاس حصہ داروں کا فراہم کیا ہوا سرمایہ تو صرف ۱۰ کروڑ تھا مگر امانت داروں کے رکھوائے ہوئے سرمایہ کی مقدار چھ ارب بارہ کروڑ روپے تک پہنچی ہوئی تھی۔ ان بنکوں کے پورے نظم و نسق اور ان کی پالیسی پر چند مٹھی بھر ساہوکاروں کا قبضہ تھا جن کی تعداد حد سے حد ڈیڑھ دو سو ہوگی۔ مگر یہ سود کا لالچ تھا جس کی وجہ سے ملک کے لاکھوں آدمیوں نے اتنی بڑی رقم فراہم کرکے ان کے ہاتھ میں دے رکھی تھی اور اس بات سے ان کو کچھ غرض نہ تھی کہ اس طاقت ور ہتھیار کو یہ لوگ کس طرح کن اصولوں پر اور کن مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اب یہ اندازہ ہر شخص خود لگا سکتا ہے کہ جن صاحبوں کے پاس اتنی بڑی رقم جمع ہو وہ ملک کی صنعت، تجارت، معیشت، سیاست اور تہذیب و تمدن پر کس قدر زبردست اثر ڈال رہے ہوں گے، اور یہ اثر آیا ملک اور باشندگانِ ملک کے مفاد میں کام کر رہا ہوگا یا ان خود غرض لوگوں کے اپنے مفاد میں۔

یہ تو اس سرزمین کا حال ہے جس میں ابھی ساہوکاروں کی تنظیم بالکل ابتدائی حالت میں ہے اور جہاں بنکوں کی امانتوں کا مجموعہ کل آبادی پر مشکل ۲ روپے فی کس ہی کے حساب سے پھیلتا ہے۔ اب ذرا قیاس کیجیے کہ جن ملکوں میں یہ اوسط اس سے ہزار اور دو ہزار گنے تک پہنچ گیا ہے وہاں سرمایہ کی مرکزیت کا کیا عالم ہوگا۔ ۱۹۳۲ء کے اعداد و شمار کی رو سے صرف تجارتی بنکوں کی امانتوں کا اوسط امریکہ کی آبادی میں ۱۳۱،۷ پونڈ فی کس، انگلستان کی آبادی میں ۴۶،۱ پونڈ فی کس، سوئٹزرلینڈ میں ۷۵،۲ پونڈ، جرمنی میں ۱۲،۲ پونڈ، اور فرانس میں ۱۰،۵ پونڈ فی کس کے حساب سے پڑتا تھا۔ اتنے بڑے پیمانے پر ان ملکوں کے باشندے اپنی پس انداز کی ہوئی آمدنیاں اور اپنی ساری جمع پونجی اپنے ساہوکاروں کے حوالہ کر رہے ہیں۔ اتنے بڑے پیمانے پر سرمایہ گھر گھر سے کھنچ کھنچ کر چند ہاتھوں میں مرتکز ہو رہا ہے۔ اور پھر جن کے پاس وہ مرتکز ہوتا ہے وہ نہ کسی کو جواب دہ ہیں، نہ اپنے نفس کے سوا کسی سے ہدایت لینے والے ہیں اور نہ اپنی اغراض کے سوا کسی دوسری چیز کا لحاظ کرنے والے۔ وہ بس سود کی شکل میں اس عظیم الشان مرکوز دولت "کا کرایہ" ادا کر دیتے ہیں اور عملاً اس کے مالک بن جاتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں، پھر اس طاقت کے بل پر وہ ملکوں اور قوموں کی قسمتوں سے کھیلتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں قحط برپا کرتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں پہیا کال ڈال دیتے ہیں۔ جب چاہتے ہیں جنگ کراتے ہیں اور جب چاہتے ہیں صلح کرا دیتے ہیں۔ جس چیز کو اپنے زر پرستانہ نقطۂ نظر سے مفید سمجھتے ہیں اسے فروغ دیتے ہیں اور جس چیز کو ناقابل التفات پاتے ہیں اسے تمام ذرائع و وسائل سے محروم کر دیتے ہیں۔ صرف منڈیوں اور بازاروں ہی پر ان کا قبضہ نہیں ہے بلکہ علم و ادب کے گہواروں، اور سائنٹفک تحقیقات کے مرکزوں، اور صحافت کے اداروں، اور مذہب کی خانقاہوں، اور حکومت کے ایوانوں، سب پر ان کی حکومت چل رہی ہے، کیونکہ قاضی الحاجات، حضرتِ زر ان کے مرید ہو چکے ہیں۔

یہ وہ بلائے عظیم ہے جس کی تباہ کاریاں دیکھ دیکھ کر خود مغربی ممالک کے صاحبِ فکر لوگ چیخ اٹھے ہیں اور وہاں مختلف سمتوں سے یہ آواز بلند ہو رہی ہے کہ مالیات کی اتنی بڑی طاقت کا ایک چھوٹے سے غیر ذمہ دار خود غرض طبقے کے ہاتھ میں مرتکز ہو جانا پوری اجتماعی زندگی کے لئے سخت مہلک ہے۔ مگر ہمارے ہاں ابھی تک یہ تقریریں ہوتے جا رہی ہیں کہ سود خواری تو پرانے گدی نشین مہاجن کی حرام و نجس تھی، رہا آج کا کرسی نشین و موٹر نشین بینکر، تو وہ بیچارہ تو بڑا ہی پاکیزہ کاروبار کر رہا ہے، اس کے کاروبار میں روپیہ دینا اور اس سے اپنا حصہ لے لینا آخر کیوں حرام ہو۔ حالانکہ فی الحقیقت اگر پرانے مہاجنوں اور آج کے بینکروں میں کوئی فرق واقع ہوا ہے تو وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ پہلے یہ لوگ اکیلے اکیلے ڈاکہ مارتے تھے، اب انہوں نے جتھہ بندی کرکے ڈاکوؤں کے بڑے بڑے گروہ بنا لیے ہیں۔ اور دوسرا فرق، جو شاید پہلے فرق سے بھی زیادہ بڑا ہے یہ ہے کہ پہلے ان میں کا ہر ڈاکو نقب زنی کے آلات اور مردم کشی کے ہتھیار سب کچھ اپنے ہی پاس سے لاتا تھا، مگر اب سارے ملک کی آبادی اپنی حماقت اور قانون کی غفلت و جہالت سے بے شمار آلات اور اسلحہ فراہم کرکے "کرائے" پر ان منظم ڈاکوؤں کے حوالے کر دیتی ہے۔ روشنی میں یہ اس کو "کرایہ" ادا کرتے ہیں اور اندھیرے میں اسی آبادی پر اسی کے فراہم کیے ہوئے آلات و اسلحہ سے ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ اس "کرائے" کے متعلق ہم سے کہا جاتا ہے کہ اسے حلال و طیب ہونا چاہیے!

---

© rasailojaraid.com